ماحصل

اس بات میں دورائے نہیں کہ اردو میں افسانہ نگاری کا آغاز بیسویں صدی کے اوائل میں ہوا اور محض ایک صدی میں اس صنف نے اتنی ترقی کر لی کہ آج اس زبان کے افسانے جیسے پریم چند کا 'کفن'، سعادت حسن منٹو کا 'ٹوبہ ٹیک سنگھ' اور سریندر پرکاش کا 'بجوکا' کسی بھی زبان کے شاہکار کے مقابلے میں رکھے جاسکتے ہیں۔ البتہ اردو کے اوّلین افسانہ نگار کے بارے میں ابھی تک کوئی حتمی رائے نہیں بن پائی ہے کیونکہ اس حوالے سے کئی نام مثلاً راشد الخیری، سجاد حیدر یلدرم، شاد عظیم آبادی، سرسید احمد خاں اور پریم چند سامنے لائے جاتے ہیں۔

گو ہندوستان میں داستانوں کی روایت زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے پھر بھی مغربی طرز کا 'افسانہ' ایک صدی پہلے کی دین ہے۔ ابتدا رومانی افسانوں سے ہوئی جو رفتہ رفتہ حقیقت پسندی میں بدل گئی۔ رومانی اسکول کے افسانہ نگار سجاد حیدر یلدرم کے علاوہ نیاز فتح پوری، محمد مجیب، منصور احمد، جلیل احمد قدوائی، نذر سجاد اور کشمیر کے نور شاہ وغیرہ تھے جبکہ حقیقت پسند اسکول کے رکن پریم چند کے علاوہ سدرشن، علی عباس حسینی، حیات اللہ انصاری، اوپندر ناتھ اشک، اعظیم کریوی، اور سہیل عظیم آبادی وغیرہ تھے۔ نشاۃ الثانیہ اور صنعتی انقلاب نے مغرب میں اتھل پتھل مچا دی تھی جس کے باعث وہاں علم کی روشنی تیزی سے بڑھنے لگی۔ انیسویں صدی میں دو اہم مفکرین، کارل مارکس اور فرائڈ نے انسانی سوچ وفکر اور دنیائے ادب کی دھارا ہی بدل دی۔ اسی طرح ۱۹۳۲ء میں 'انگارے' نام کا افسانوی مجموعہ منظر عام پر آیا جس نے اردو حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۵ء میں پریم چند کا شاہکار افسانہ 'کفن' منظر عام پر آیا اور ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کی باضابطہ شروعات ہوئی۔ افسانہ نگار اشرافیہ کے بدلے مزدوروں اور کسانوں کو افسانوں کے کردار بنانے لگے۔ حب الوطنی، حریت اور انقلاب کی باتیں ہونے لگیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ افسانے پر رجائیت غالب ہوگئی۔ یہ دور اردو ادب کا سنہری دور مانا جاتا ہے جس نے منٹو، بیدی، عصمت، کرشن چندر، قرۃ العین، خواجہ احمد عباس اور احمد ندیم قاسمی جیسے قلم کار پیدا کیے۔ ادھر ریاست جموں کشمیر میں پریم ناتھ پردیسی، علی محمد لون، تیج بہادر بھان، نور محمد روشن، رامانند ساگر، برج پریمی، نرسنگھ داس نرگس، ٹھاکر پونچھی، موہن یاور اور کے ڈی مینی جیسے اہل قلم اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ اسی دور میں فرائڈ کی تحلیل نفسی نے بھی افسانہ نگاروں کو متاثر کیا اور سعادت حسن منٹو، عزیز احمد، عصمت چغتائی، ممتاز مفتی اور واجدہ تبسم جیسے افسانہ نگاروں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ۱۹۶۰ء کے آس پاس افسانوں میں جدیدیت کا رنگ چڑھنے لگا جو ۱۹۸۰ء تک حاوی رہا۔ اس دور کے افسانہ نگاروں نے علامتوں اور تشبیہوں کے ساتھ ساتھ شعور کی رو تکنیک کا استعمال کیا۔ افسانے میں اینٹی اسٹوری، اینٹی ہیرو، بیانیہ کے بدلے مکالمہ وغیرہ کا چلن ہوا۔ اس دور کے افسانہ نگاروں میں رام لعل، بلراج مینرا، سریندر پرکاش، اقبال متین، رتن سنگھ، جوگندر پال، غیاث احمد گدی، طارق چھتاری، انیس

رفیع ،اکرام باگ ،حمید سہروردی ،انتظار حسین ،انور سجاد ،رشید امجد ،احمد ہمیش اور خالدہ اصغر وغیرہ شامل ہیں ۔جموں وکشمیر میں خالد حسین ،ویریندر پٹواری ،آنند لہر اور پوشکر ناتھ اس خیمے سے تعلق رکھتے تھے ۔البتہ اس دور میں افسانے میں 'ترسیل کا المیہ' پیش آیا اور افسانہ قاری سے بہت دور ہو گیا ۔افسانوی ادب میں ہر طرف قنوطیت چھا گئی ۔ادھر سماج میں بھی تبدیلیاں آ گئی تھیں ۔انسان تنہائی کو پسند کرنے لگا ،اور رشتوں کی اہمیت کم ہونے لگی تھی ۔ساتویں دہائی میں افسانہ صرف اور صرف علامت اور تجرید کی پہچان بن کر رہ گیا ۔افسانہ نہ صرف اپنی ڈگر سے ہٹ چکا تھا بلکہ شاعری کے قریب آنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا ۔اس بات کا جونہی افسانہ نگاروں کو احساس ہوا انھوں نے افسانے کو پھر سے مقبول بنانے کی سعی کر لی اور اس کوشش میں جدیدیت سے پہلے کے ادوار میں پھلی پھولی روایتوں کو دوبارہ زندہ کر لیا مگر دور جدیدیت کے اچھی باتوں کو بھی اپنا لیا ۔نتیجے میں کہانی میں کہانی پن لوٹ آیا اور قارئین پھر سے کہانی کو پسند کرنے لگے ۔اس طرح آٹھویں دہائی تک پہنچتے پہنچتے افسانے میں کافی تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں ۔آٹھویں دہائی کے بعد کے دور کو مابعد جدید کا نام دیا گیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دور کی کوئی خاص پہچان نہیں بن پائی ہے ۔اس دور میں جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے ایجادات کا ایک سیلاب آیا جیسے کمپیوٹر ،ماس میڈیا ،انٹر نیٹ وغیرہ ۔دنیا الیکٹرانک اور پھر ڈیجیٹل دور میں داخل ہو گئی ۔انسانوں کا کام روبوٹ کرنے لگے ۔انفارمیشن انقلاب نے زندگی کے ہر شعبے یہاں تک کہ جنس کے بارے میں نظریے کو بھی بدل کے رکھ دیا جس کے سبب ادبی دنیا بھی بے حد متاثر ہوئی ۔اس دور میں عالمی سطح پر مثبت اور منفی دونوں طرح کی تبدیلیاں آ گئیں ۔عالمی گاؤں ، بندشوں کے بغیر عالمی تجارت اور یورپی بنک و کرنسی کی باتیں تیز ہو گئیں مگر ساتھ ہی دنیا میں دہشت گردی ،افغان و ایران جنگ ،۹/۱۱ کا ٹوِن ٹاور حملہ ،بابری مسجد ،ممبئی میں سلسلہ وار حملے ،گجرات فسادات ،کشمیر کی ملی ٹینسی ،۱۳/۱۲ کا پارلیمنٹ پر حملہ ،جیسی وارداتیں وقوع پذیر ہوئیں ۔ایک طرف دنیا سے کمیونزم کا صفایا ہونے لگا اور دوسری طرف اسلام کو بدنام کرنے کی کوششیں ہونے لگی جو ابھی تک جاری ہے ۔اس دور مین جن افسانہ نگاروں نے اپنی مہر ثبت کی ان کے نام ہیں ،مشرف عالم ذوقی ،شموئل احمد ،ساجد رشید ،سلام بن رزاق ،سید محمد اشرف ،دیپک بدکی ،علی امام نقوی ،نوالحسین ،ابن کنول ،حسین الحق ،خالد جاوید ،ظفر اوگانوی ،شکیلہ رفیق ،،سید ظفر ہاشمی ،انجم عثمانی ،ترنم ریاض ، غزال ضیغم ،اور فرحت جہاں وغیرہ ۔ساتھ ہی جموں وکشمیر کے دیپک کنول ،سیدہ نکہت فاروق ،طالب حسین رند ،اور عبدالغنی وغیرہ نے بھی خوب افسانے لکھے ۔

دور حاضر کے اردو افسانہ نگاروں میں دیپک بدکی کا شمار صفِ اوّل کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے ۔حالانکہ ان کے ادبی سفر کی شروعات ۱۹۷۱ء میں ہوئی جب انھوں نے مخلصی موت (Euthanasia) اور 'پھینک دو کلچر '

(Throw away culture) جیسے حساس موضوعات پر فکر انگیز افسانے 'خودکشی' اور 'ادھورے چہرے' کے عنوان سے بالترتیب لکھے مگر یہ سلسلہ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۹۶ء تک التوا میں پڑ گیا اور اس کے بعد افسانوی دنیا میں دیپک بدکی کا پُر جنم ہوا۔ سترہ سال کی مختصر مدت میں ہی ان کے چار افسانوں کے مجموعے (ادھورے چہرے ۱۹۹۰ء، چنار کے پنجے ۲۰۰۵ء، زیبرا کراسنگ پر کھڑا آدمی ۲۰۰۷ء اور ریزہ ریزہ حیات ۲۰۱۱ء) منظر عام پر آچکے ہیں اور ادبی حلقوں سے دادِ تحسین پا چکے ہیں۔ ان کے کچھ افسانے ہندی، انگریزی، کشمیری، تیلگو، اور مراٹھی میں بھی ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ہندی میں ان کے دو مجموعے (ادھورے چہرے اور چنار کے پنجے) شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے بہت ہی کم وقت میں اپنی الگ پہچان بنالی ہے۔

دیپک بدکی کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ عمیق ہے۔ نوکری کے سبب وہ ملک کے طول و عرض سے واقف ہو چکے ہیں۔ ملک سے باہر بھی چند مقامات کی سیاحت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں جغرافیائی تنوع اور موضوعاتی گونا گونیت ملتی ہے۔ زندگی کی حقیقت پر انھوں نے ادھوری کہانی اور ایک، دو اور تین کے عنوان سے خوبصورت افسانے لکھے ہیں جبکہ نظریات کے تصادم پر ایک افسانہ پارٹی لکھا ہے۔ انسانی رشتوں کی شکست و ریخت کے بارے میں ان کے افسانے ادھورے چہرے، رشتوں کا درد، بٹی ہوئی عورت، ریزے، راکھ کا ڈھیر اور بکھرے ہوئے لمحوں کا سراب بہت پسند کیے جا چکے ہیں۔ چنانچہ دیپک بدکی مقصدی ادب کے حامی ہیں اس لیے انھوں نے اکثر و بیشتر افسانے سماجی موضوعات پر تحریر کیے ہیں جیسے اماں، ڈاکٹر آنٹی، اچانک، ایک ہی خط، قسمت کی پوٹلی (انسانی ہمدردی)، خودکشی (Euthanasia)، شیر اور بکرا (فرقہ پرستی)، احتجاج، موت کے سوداگر، گاڑی کا انتظار، حرص گناہ، زندگی سوچ کر اداس ہو گیا میں، روح کا کرب، گھر کا بیدی (حرص و ہوس)، جھوٹا سچ (انسانی خصلت)، دوگز زمین، سپنوں کا شہر (سماجی نابرابری)، زمین پھوٹ کر جو بھگوان نکلا، (توہم پرستی)، اداس لمحوں کا کرب (نان و نفقہ)، دشت وحشت (نسائی بے راہ روی)، کینچلی (غیر پیداواری زندگی)، منقولہ خواب، طلسمی عینک، تخلیق کا کرب، ٹکڑوں میں بٹی زندگی (استحصال)، پروٹوکول (جنسی استحصال)، سرابوں کا سفر، یونین لیڈر، آؤ کچھ اور لکھیں (کنبہ پروری)۔ انھوں نے کوا پریٹو مہم اور گاندھیائی نظریے کی ناکامی پر بالترتیب دو افسانے موچی پپلا اور کئی گاندھی اور لکھے ہیں۔ طالب علموں کے کردار کے بارے میں بھی دو افسانے لکھے ہیں: ٹک شاپ اور ورثے میں ملی سوغات۔ کشمیر کی ملی ٹنسی اور ہجرت سے متعلق ان کے کئی دل سوز افسانے شائع ہو چکے ہیں جن کے نام یوں ہیں؛ ایک نہتے مکان کا ریپ، چنار کے پنجے، مخبر، کتا، سفید کراس، گھونسلا، زیبرا کراسنگ پر کھڑا آدمی ،حرص گناہ، بدھ کی مسکراہٹ، ریزہ ریزہ حیات اور ترنذ۔ ہندو پاک تنازعے کے حوالے سے بھی انھوں نے چند

چند فکر انگیز افسانے تحریر کیے ہیں جیسے دس انچ زمین، سرحدیں۔ عراق جنگ پر انھوں نے بہت ہی دلگداز افسانہ بعنوان معصوم علی رقم کیا ہے۔

عشق اور رومان پر دیپک بدکی کی کئی کہانیاں منظر عام پر آ چکی ہیں مگر غور سے دیکھا جائے یہاں بھی کوئی نہ کوئی زیریں مقصد کارفرما رہا ہے۔ عنوان ہیں کالا گلاب، ادھ کھلی، ڈائیننگ ٹیبل، بیسوا، ویوگ، ایک خط جو پوسٹ نہ ہوسکا، سپنوں کا شہر، پہاڑوں کا رومانس، یادوں کی مہک، کبھی ہم سے سنا ہوتا، درد کا جنگل، وفا کی خوشبو، افلاس کا کوڑھ، جزیرے پیار کے، کیبرے ڈانسر اور میں ساری کی ساری تمہاری۔ اس کے علاوہ ان کا خاص موضوع انسانی نفسیات اور جنسیات رہا ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے کئی فکر انگیز افسانے لکھے ہیں جیسے ڈرفٹ وُڈ، بٹی ہوئی عورت (تذویج محرمات)، ٹھنڈی آگ (Frigidity)، مانگے کا اجالا، فریب گفتار، وہ الھڑ لڑکی، آخری سبق، چڑی کی بیگم، مغرور لڑکی، آواز کا جادو، آغوش ہوس اور لذت خلوت وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ دیپک بدکی کے افسانے ہم عصر زندگی کو آئینہ دکھاتے ہیں۔ انھوں نے کہیں بھی اپنے آپ کو دہرایا نہیں ہے اور نہ ہی ایک ہی افسانے کو ایک سے زیادہ مجموعوں میں شامل کیا ہے۔ وہ حساس موضوعات پر قلم اٹھانے سے نہیں ڈرتے اور بنا کسی روک ٹوک کے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ افسانہ لکھتے وقت ان کا مدعا صرف انسان کی مثبت سوچ کو اپیل کرنا اور عقلیت پسند فکر کو جگانا ہوتا ہے۔ انسانیت کے ساتھ ہمدردی، دنیا میں امن و آشتی اور جنون پر عقل کی حکومت کے وہ قائل ہیں۔ انسانی نفسیات پر بھی ان کی دسترس ہے۔ ان پر منٹو اور موپاساں کا خاص اثر رہا ہے۔ خود انھوں نے بھی انسان کی نفسیات کے حوالے سے کئی خوبصورت افسانے لکھے ہیں۔ یہاں یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ اردو دیپک بدکی کی نہ تو مادری زبان ہے اور نہ ذریعہ تعلیم رہی ہے۔ اس لیے انھوں نے اس میدان میں جو کچھ بھی حاصل کیا ہے وہ ان کی محنت اور لگن کی دین ہے۔ ایک اور چیز کی جانب توجہ دلانا ضروری ہے کہ بدکی صاحب نے آج تک نہ کسی کتاب کے لیے کسی اکادمی سے مالی امداد مانگی ہے اور نہ لابی اِنگ کر کے کسی تنظیم سے کوئی انعام یا اعزاز حاصل کیا ہے۔ یہ ان کے کردار کی دیانت داری کا ثبوت ہے۔

افسانوں کے علاوہ دیپک بدکی نے بہت سارے مضامین اور تبصرے بھی تحریر کیے ہیں جو ان کی کتابوں 'عصری تحریریں' اور 'عصری شعور' میں شامل ہیں۔ 'عصری تحریریں' میں اردو کے مشہور افسانہ نگار اور مزاح نگار مانک ٹالا کی شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں پر چھ تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ اس کے علاوہ گلزار، برج پریمی، اور ویریندر پٹواری کی افسانہ نگاری پر بے لاگ مضامین بھی شامل ہیں۔ مذکورہ مضامین سحر آفرین اور بے حد اثر انگیز ہے۔ ان مضامین میں بدکی کی تبحر علمی اور گہرے مشاہدے کی جھلک ملتی ہے۔ مضامین کے علاوہ عصری تحریریں میں پچاس

سے زائد کتابوں پر سیر حاصل تبصرے شامل ہیں جن میں سے چند اہم کتابوں کے نام یوں ہیں؛ کرفیو سخت ہے (انیس رفیع)، خیال آباد (عالم خورشید)، صاحب فن (ف س اعجاز)، گفتنی حصہ دوم (سلطانہ مہر) تنقید نما (مظہر امام)، تنقیدی شعور (ابراہیم اشک)، ساحرلدھیانوی۔ حیات اور کارنامے (ڈاکٹر انور ظہیر انصاری)، خواجہ احمد عباس ۔ایک مطالعہ (ڈاکٹر غلام حسین)، نثری زاویے (سید خالد محمود) وغیرہ۔اسی طرح 'عصری شعور' میں سترہ تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل ہیں مثلاً جموں وکشمیر میں اردو افسانہ، جموں وکشمیر کے افسانوی ادب میں قومی یکجہتی کے عناصر ،شرون کمار ورما، ، کدارناتھ شرما، کیول دھیر، بشیر مالیر کوٹلوی، انل ٹھکر، ڈاکٹر رینو بہل اور فرخ صابری کی افسانہ نگاری، میکش کاشمیری، شبنم عشائی، پریمی رومانی، اور اظہر نیّر کی شاعری۔ان تحریروں سے بدکی کی وسعت نظری اور ان کے تنقیدی شعور کا پتہ چلتا ہے۔عصری شعور میں بھی چالیس کتابوں پر تبصرے شامل ہیں جن میں چکّر اور وشواس گھات (جتیندر بلّو)، اقرار نامہ (نعیم کوثر)، انیسواں ادھیائے (نند کشور وکرم)، بند کمرے کی کھڑکی (نور شاہ)، برہ راست (گلزار جاوید)، سمندر سوچتا ہے (رئیس الدین رئیس)، سیفی سرونجی۔ شخصیت اور فن (محمد توفیق خاں)، نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے (علیم صبا نویدی)، اردو ناول میں متوسط طبقہ کے مسائل (ڈاکٹر فرزانہ نسیم) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بدکی کے تبصرے قارئین کو نئی مطبوعات کا مطالعہ کرنے اور نئے تخلیق کاروں سے واقف ہونے کی طرف مائل کرتے ہے۔ان کے تبصرے دراصل اتنے دقیقہ ریزی سے تحریر کئے ہوتے ہیں کہ ان پر تنقیدی مضامین کا گماں ہوتا ہے۔چونکہ وہ کسی مکتبہ فکر سے تعلق نہیں رکھتے ہیں اس لیے ان کے تبصروں میں کسی قسم کا تعصب نظر نہیں آتا۔وہ تخلیق کاروں کے فن پاروں کا حقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں اور عمداً کسی کی دل خراشی نہیں کرتے بلکہ بڑے ہی ادب کے ساتھ تخلیق کار کی کوتاہیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اس دور کے افسانہ نگاروں میں دیپک بدکی اپنی منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔انھوں نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے قارئین سے اپنا لوہا منوایا ہے۔میں نے دیپک بدکی کے ہم عصروں کو بھی پڑھا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ دیپک بدکی عصری اردو افسانہ نگاری کے درخشاں ستارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

☆☆☆